ہَوَن

(ناول)

پروفیسر ڈاکٹر سوشم بیدی

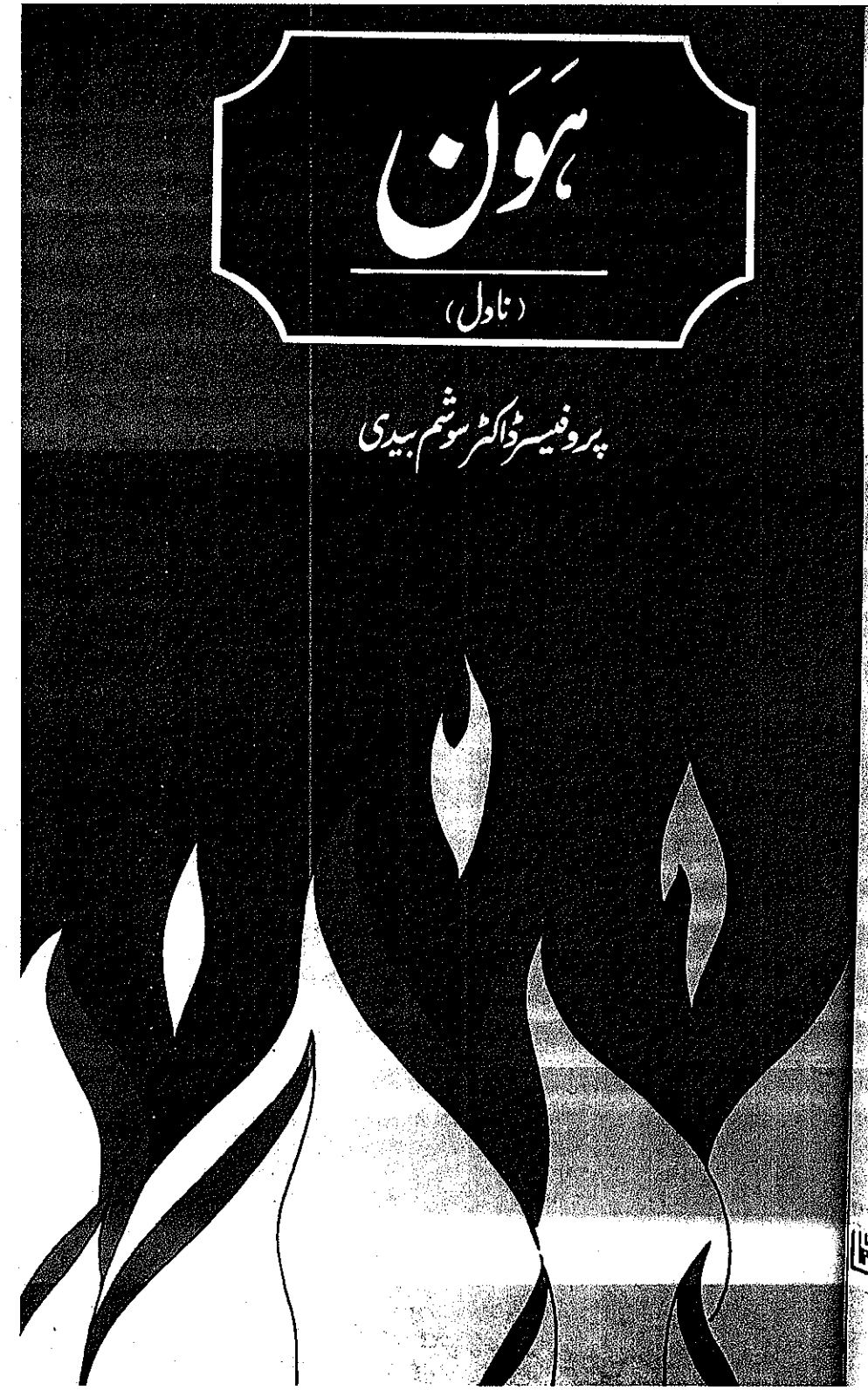

ہَوَن (ناول)

پروفیسر ڈاکٹر سوشم بیدی

ترجمہ: زاہدہ اقبال / سبط حسن

پروفیسر ڈاکٹر سوشم بیدی، کولمبیا یونیورسٹی نیویارک میں ہندی زبان و ادب کی پروفیسر ہیں۔ انہوں نے دلی اور چندی گڑھ یونیورسٹی سے تعلیم حاصل کی اور وہاں کچھ عرصہ پڑھایا بھی۔ اس کے علاوہ انہوں نے ریڈیو اور ٹیلیویژن کے ڈراموں میں مختلف کردار بھی ادا کئے۔ ان کی کتاب ہندی 'تھیٹر کا ارتقا' کافی مشہور ہے۔ ڈاکٹر بیدی کئی ایک ہندی ناولوں کی مصنف ہیں جن کا کئی زبانوں میں ترجمہ کیا جا چکا ہے۔

'ہون' ایک ایسا ناول ہے۔ جس میں امریکہ میں بسنے والے بھارت کے ایک خاندان پر مرتب ہونے والے اثرات کا تجزیہ کیا گیا ہے۔ ایک گھٹے ہوئے، خالص مذہبی خاندان کے افراد جب امریکہ کی کھلی فضا میں سانس لینے کی کوشش کرتے ہیں۔ تو انواع و اقسام کے جھمیلوں اور نظریات میں الجھ جاتے ہیں۔ کبھی کبھی وہ حالات سے صلح کرتے ہیں اور کبھی کبھی ان سے گلوخلاصی کی کوشش کرتے ہیں، دماغی اور جسمانی پریشانیاں ان کو مایوس اور بددل کر دیتی ہیں، اور وہ ان سے راہ نجات کی کوشش کرتے ہیں۔ مگر زنجیریں اتنی مضبوط ہو جاتی ہیں کہ ان سے نکلنا آسان نہیں۔ اس کشمکش میں حالات کا دھارا ان کو کہیں سے کہیں لے جاتا ہے۔ گو اس ناول کے کردار فرضی اور بھارت کے باشندے ہیں مگر ان کا اطلاق پاکستانی باشندوں پر بھی ہو سکتا ہے جو اسی قسم کے حالات میں امریکہ میں رہنے کی سعی کر رہے ہیں۔

پروفیسر سوشم بیدی نے نہایت دلچسپ اور خوبصورت پیرائے میں انسانی الجھنوں، تکالیف اور نفسیاتی پہلوؤں پر روشنی ڈالی ہے۔ یہ ناول ہندی میں لکھا گیا اور بھارت میں چھپا۔ اس کا انگریزی ترجمہ امریکہ میں چھپ رہا ہے۔ اردو ترجمے میں زاہدہ اقبال اور سبط حسن نے مدد کی ہے۔

ISBN 969-479-001-8

ہَوَن

ناول

پروفیسر ڈاکٹر سوشم بیدی

ترجمہ

زاہدہ اقبال، سبطِ حسن

نگارشات ○ میاں چیمبرز ○ ۳ ٹمپل روڈ ○ لاہور

جملہ حقوق محفوظ

1992

ناشر آصف جاوید

مطبع بک پرنٹرز، لاہور

کمپوزنگ احمد گرافکس، لاہور فون: 320521

تزئین و سرورق نعیم احسن

قیمت =/90 روپے

محترم استاد اور مخلص دوست
رضی واسطی کے نام

تھی کہ صحیح لباس میں ہی وہ کاؤنٹر پر کھڑی ہو سکتی ہے۔ ساڑھیاں' شلوار قمیض گھر میں پہننے کے ہی کام آتی تھیں' بڑھیا زری والی ساڑھیاں زیادہ تر بکسوں میں ہی بند رہتی تھی' بس تہوار' پارٹیوں میں ہی باہر نکلتی تھیں۔ راجو کے کپڑے' گرم جیکٹس سبھی کچھ تو چاہئے تھا۔ تبھی تو نئی جگہ کا خیال ملتوی کر رکھا تھا۔ یوں کچھ ایک گھر دیکھ تو ڈالے تھے پر سبھی کسی نہ کسی وجہ سے رد کر دیئے گئے تھے۔ نیویارک میں اپارٹمنٹوں کے کرائے اتنے اونچے ہیں کہ وہ ان کے دام سن کر چپ مار جاتی تھی۔

اس دن جب گڈو کو تنخواہ کا چیک ملا تو لنچ بریک میں چیک بھنا کر اس نے ارجن اور راجو کیلئے ایک ایک کھلونا خرید لیا۔ لوٹتے ہوئے لنچ ٹائم کی بھاگ دوڑ کی وجہ سے زیادہ تھکی ہوتے ہوئے بھی من ہلکا تھا۔ سوچ رہی تھی گھر میں اتنا تناؤ رہتا ہے۔ کھلونا پا کر ارجن خوش ہو گا تو شاید ماحول میں کچھ فرق پڑے۔

پر آج گڈو کے منصوبوں پر گاج گر پڑی۔ گھر کا دروازہ کھول کر سیڑھیاں چڑھ رہی تھی تو من میں کچھ کھٹکا ہوا۔ یہ ادھر دھیان نہ دیتے ہوئے سیدھے اپارٹمنٹ کے سامنے پہنچ کر چابی لگاتے ہوئے اس نے دروازہ کھولا۔ دھیان ہاتھ کے پیکٹوں پر تھا۔ آنکھ اوپر اٹھائی تو ایسا نظارہ سامنے تھا کہ اسے اپنے آپ پر بھروسہ نہیں ہو سکا۔ اس کا سوٹ کیس دروازے سے تھوڑی دور پرے پڑا تھا۔ راجو سہما سا سوٹ کیس کے پاس ہی ایک مونڈھے پر بیٹھا تھا' آنکھیں سوٹ کیس پر ہی چپکی تھیں۔ اس کے کچھ ایک کپڑے ادھر ادھر بکھرے پڑے تھے' شاید کھونٹیوں سے اتار کر پھینکے گئے تھے۔ ابھی حالات کا کچھ ٹھیک اندازہ گڈو کو نہیں ہو پایا تھا کہ کچن سے آئی ہوئی پنکی اسے وہاں دیکھتے ہی چلا کر بولی "پلیز بہن جی' Have Mercy On Me. Let me live in peace. ہماری بھی تو زندگی ہے۔ اب اور بوجھ نہیں اٹھا سکتے ہم۔ یہ روز روز کے جھگڑوں میں ستیندر کی ٹینشن .... I Can't take it - پھر اپنی بھرائی ہوئی آواز کو کچھ سنبھال کر بولی۔

"I am sorry, I have to be rude to you "

"پر آپ نے بھی تو حد کر دی۔ آپ کتنی دیر سے تو کما رہی ہیں اب پلیز کہیں اور نہیں کر سکتیں اپنا انتظام؟"

گڈو حیران تھی۔ اس طرح کا سلوک تو اس کی سوچ کے دائرے سے بھی دور تھا۔ پستول آج اس کی اپنی بہن نے اس کی طرف تانی تھی۔ دہشت کی ایک گولی اس کے اندر تک اتر گئی تھی۔ مشکل سے بس اتنا منہ سے نکلا۔

"ہوا کیا ہے؟"

اور سامنے سے آتے ستیندر کے الفاظ ہتھوڑے جیسے ان کے کانوں میں پڑے۔

"ہم لوگ تو خون پسینے کی کمائی سے ان لوگوں کو یہاں بلائیں اور ان کو ہمارا کچھ لحاظ تک نہیں۔ کیا تھا اگر میں نے راجو کو بازار سے سودا لانے کیلئے کہہ دیا' اٹھا تک نہیں بستر سے۔ میں کہتا ہوں' ہمیں کو کیا ضرورت پڑی ہے کہ ان کے پیچھے مارے مارے پھرتے رہیں۔ ان کو سیٹل کرنے کیلئے بھاگ دوڑ کرتے پھریں۔ کہو ان کو' جہاں کہیں بھی جائیں' یہاں نہیں رہ سکتیں....."

"I just can't stand them in this house "

گڈو بکی بکی کھڑی تھی.... کیا کرے.... کہاں جائے گی اب اندھیرے میں.... ہلکی سہمی آواز میں بولی "دیکھ پنکی' سڑک پر تو نہ کھڑا کر.... کل سے گھر دیکھنا شروع کر دوں گی۔ جو کچھ بھی اچھا برا ملا' منتقل ہو جاؤں گی.... اب اس وقت کہاں جاؤں گی؟"

اس علاقے میں پہچان کا چہرہ اسی امریکی بوڑھا کا تھا.... گڈو نے تو اس کا نام پتہ نہیں پوچھا تھا۔ اگر دلچسپی لیتی تو آج وہ کام آ سکتا تھا۔ ستندر کی موجودگی میں پنکی اور بھی غصے سے بولی' "گھر تو آپ کب سے دیکھ رہی ہیں پر کوئی ناک تلے چڑھے ناں!! جب اس گجراتی لڑکی کے ساتھ Share کرنے کا انتظام کیا تھا تو کیوں نہیں گئیں آپ؟ سچ تو یہ ہے کہ تب سارا خرچہ خود کرنا پڑتا' اب مفت کی جو مل رہی ہے....."

گڈو بولی "پر راجو کو لے کر میں کسی کے ساتھ Share تھوڑا ہی کر سکتی ہوں.... یہاں جو دیکھ لیا Share کر کے۔"

آخری واقعہ ابال لے آیا تھا پنکی میں۔ گڈو تو سیدھے یہی کہنا چاہتی تھی کہ بچے کی پڑھائی یا آزادی کیلئے اسے الگ سے ہی رہنا چاہئے' پر منہ سے چوٹ کرنے والا ہی فقرہ نکلا۔

چوٹ تو گڈو کو لگی ہی تھی اور پنکی بولی Share کرنا آپ کو آتا ہو' تب ناں۔

مجھے سب پہلے ہی سے کہتے تھے کہ ہندوستانیوں کو یہاں رہنے کا شعور ہی نہیں۔ اتنا گندا کر رکھا ہے آپ لوگوں نے یہ گھر کہ گھسنے کا من نہیں کرتا۔ کسی چیز کا سلیقہ ہی نہیں۔ یہاں ہندوستان جیسے نہیں رکھ سکتے گھر۔ یہاں کے صفائی کے سٹینڈرز کچھ اور ہی ہیں۔

یہ چوٹ تو گڈو کی تہذیب پر تھی۔ صلح صفائی والا رخ چھوڑ کر اچانک وہ بھی ایک دم حملہ کرنے والی ہو اٹھی۔ بولی "واہ رے صفائی کے فرشتے۔ بڑی امریکن بننے چلی ہے.... یہیں پیدا ہوئی تھی ناں جیسے! دیکھ لی' تیری بھی صفائی میں نے.... بستروں کے نیچے رکھے گندے کپڑے چھپا کر۔ الماریوں' درازوں میں سارا گند بند کر کے اور خوشبوئیں چھڑک چھڑک کر ہوتی ہے نا صفائی.... بڑا سمجھنا نہ خود کو.... وہیں سے نکلی ہے جہاں سے میں.... اب چار پیسے کیا ہو گئے' بڑا گھمنڈ ہو گیا ہے تجھے.... اب گھر سے نکالتی ہے مجھے.... تیری یہ جرات ہوئی کیسے؟ آج میرا مرد زندہ ہوتا تو دیکھتی کیسے تو بڑی بہن کی بے عزتی کرتی۔ اپنے ہاتھوں سے پالا ہے تجھے' پوتڑے دھوئے ہیں میں نے تیرے۔ کرنے چلی ہے صفائی کی بات۔ ٹٹیوں میں لڑی رہتی تھی' ناک صاف کرنے کی تمیز نہیں تھی تجھے۔

"گڈو بے حال بولے چلی جا رہی تھی.... بھڑ کے چھتے کو چھیڑ دیا تھا کسی نے۔"

"تھو...' تھوکتی ہوں تیرے گھر پر.... بھگوان یہ بدلہ لے گا جو سلوک تو نے کیا ہے میرے ساتھ.... تو کیا نکالے گی مجھے' میں ہی خود جاتی ہوں۔ جو لایا ہے وہی ٹھکانا بھی بنائے گا۔ تو کچھ نہیں کر سکتی کسی کا۔ بھگوان ہے اصلی کرنے والا۔ میں فالتو میں احسان مانتی رہی تیرا۔ تو کون ہوتی ہے مجھے بلانے والی یا نکالنے والی؟"

گڈو کا پورا بدن جیسے جل رہا تھا۔ ہاتھ جذبات سے کانپ رہے تھے۔ راجو نے ماں کا یہ روپ پہلی بار دیکھا تھا۔ بہت گھبرا گیا تھا۔ دونوں بانہوں سے گڈو کو گھیرتے ہوئے بولا "سٹاپ اٹ پلیز سٹاپ اٹ ممی" "Please, Stop it Now"

پھر تھوڑی دیر کے بعد ڈرتے ڈرتے بولا "Can we go to Gita Mosi ji House"

اچانک گڈو کو اپنی لاچار حالات پر رلائی پھوٹ پڑی "بس قسمت ہی خراب تھی میری' ورنہ یہاں کیوں آتے۔ اب تو سڑکوں پر رلنے کی بھی نوبت آ گئی۔ ایسی بے

قدری کرنی تھی تو بلایا ہی کیوں تھا یہاں۔ اب ہم گندے لیچڑ ہو گئے۔ جب ہمارے گھر آ آ کر مہینوں پڑی رہتی تھی تب؟ تب کیا تھا؟ ظالم یہ جو کفر ڈھا رہی ہے مجھ پر.... بھگوان ہی بدلہ لے گا۔"

آخری فقرہ کہتے کہتے گڈو اپنے آپ کو پاک آتما سا محسوس کر رہی تھی جس کی بددعا ضرور پوری ہوتی ہے۔ پنکی' سٹیندر ایک دم خاموش تھے۔ من میں بڑا ہی پچھتاوا تھا' پر روکنے کو تیار ہو کر بھی روکنے کی بات کہہ نہیں پا رہے تھے۔ ڈر تھا کہ پھر سے وہی سلسلہ دوبارہ نہ شروع ہو جائے۔ گڈو کے چلے جانے میں ہی سب کی بھلائی تھی۔ وہ یہ چپ چاپ دیکھتے رہے کہ گڈو کی اگلی حرکت کیا ہو گی' اس کا انتظار کرتے رہے۔

ٹیکسی میں گیتا کے گھر جاتے ہوئے گڈو من کو سکون دینے کیلئے منتر پڑھنے لگی.... ہون کے رٹے رٹائے منتر.... "خواہش سے کیا مطلب ہے اس رشی کا۔ سارا ویدوں کا فلسفہ اور سارے منتر اس دنیاوی زندگی کو ہی تو آخری سچ بنانے کی بات کرتے ہیں.... یہی راستہ ہی تو ہے اس خدا تک پہنچنے کا۔ انہی کاموں کو کرتے ہوئے ہی تو خدا تک پہنچنا ہے ناں۔ پر کیا سچ میں زندگی کی حقیقت اپنی ہی بھلائی اور اپنے کو ہی ترقی دینا ہے؟ پر اپنی ترقی خودغرضی بھی تو ہے۔ چھوٹا پن اور کمزوری بھی تو" تب کیا صحیح ہے گڈو کیلئے۔ کیا وہ جو کر رہی ہے وہ صحیح ہے؟ پر اب پیچھے بھی تو نہیں ہٹ سکتی۔ سات سو روپے والی ٹیچری اسے کہاں تک لے جائے گی۔ نہیں' اب تو وہی کرنا ہے۔ یہیں اس کے کام کا فیلڈ ہے۔ یہی اس کا مقدر ہے۔ گیتا کا اپارٹمنٹ پنکی کے یہاں سے قریب 20 میل فلیشنگ نامی علاقے میں تھا۔ یہاں مینہٹن کے مقابلے میں مکانوں کے کرائے کچھ سستے تھے۔ نیویارک میں آنے والے کئی ہندوستانی اس حصے میں آ کر بس گئے تھے۔ ہندوستانی ساڑھیوں' گروسری اور دو سو بیس 220 واٹ کے بجلی سے چلنے والی مشینوں والی دوکانیں یہاں ہندوستان اور پاکستان سے آنے والوں کی بڑھتی تعداد کے ساتھ ساتھ ہی بڑھ رہی تھیں۔

گیتا کا اپارٹمنٹ ایک دس منزلہ عمارت کی ساتویں منزل پر تھا۔ اوپر جانے کیلئے لفٹ تھی۔ دو بیڈ روم کے اس اپارٹمنٹ میں یوں کسی باہر کے آدمی کیلئے جگہ تھی

نہیں- ایک بیڈ روم میں گیتا کے تینوں بچے کینکا' رادھیکا اور اشوک رہتے تھے دوسرے میں گیتا اور جیجا جی- گڈو کا انتظام Living Room میں کیا گیا تھا وہ روز رات کو بستر فرش پر ہی گدا ڈال کر بچھا دیتے تھے- صبح صبح گڈو راجو دونوں کو ہی کام پر جانا ہوتا اور یوں کمرہ پھر سے بیٹھک بن جاتا- یوں دن بھر بیٹھک کا استعمال کرنے والے جیجا جی کو چھوڑ اور کوئی گھر پر نہیں ہوتا تھا- جیجا جی کی ڈیوٹی کبھی شام 4 بجے سے رات 12 بجے تک یا رات بارہ بجے سے صبح آٹھ بجے تک ہوتی' دن میں وہ اپنی نیند پوری کرتے- اشوک اور رادھیکا کے ساڑھے تین بجے کے قریب سکول سے گھر لوٹنے پر جیجا جی کبھی ڈیوٹی کے حساب سے کبھی ملتے' کبھی نہیں- یوں رادھیکا نے تیرھویں میں قدم رکھا تھا اور اشوک نے گیارھویں میں- کینکا ہائی سکول اور 16 کی ہو چکی تھی- وہ شام تک ہی گھر آتی تھی- صبح صبح اور شام کو اس گھر میں بھیڑ ہو جاتی.... شور' کٹ پٹ' لڑائیاں- ٹیلیویژن پر کوئی کچھ پروگرام دیکھنا چاہتا اور کوئی کچھ' اسی بات پر بچوں میں بہت جھگڑا ہوتا رہتا- رادھیکا اسی بات پر بڑے غصے سے بات کرتی- رادھیکا اور اشوک ایک دوسرے کو امریکی زبان میں گالیاں دیتے- ساری شام ٹیلیفون کی گھنٹیاں بجتی رہتیں- رادھیکا گھنٹوں ٹیلیفون پر لگی رہتی- زیادہ تر فون اسی کی سہیلیوں کے ہوتے تھے- باقی اکا دکا کسی اور کا- رادھیکا ڈانٹ بھی کھاتی رہتی اور کرتی وہی جو اسے بھاتا-

کینکا کی جگہ الگ سی تھی اس گھر میں اس کا کہا تو اس کے ماں باپ تک مانتے تھے- گیتا بتاتی تھی کہ کینکا بہت لائق ہے- کینکا نے بھی جیسے اس اہمیت کو اوڑھا ہوا تھا.... اس بڑے پن کو وہ گھر میں کسی سے زیادہ بات نہیں کرتی تھی اسے ہر شام پڑھائی کا بڑا کام' کوئی Term Paper وغیرہ نپٹانا ہوتا تھا- وہ آتے ہی پاپا' ممی کا کمرہ بند کر کے وہیں پڑھتی رہتی تھی-

گڈو کو یہاں سے کام پر جانے کیلئے سوا ڈیڑھ گھنٹہ انڈر گراؤنڈ ٹرین پر لگ جاتا تھا- راجو کا بھی یہی حال تھا- گڈو راجو کے اکیلے ٹرین میں سفر کرنے سے گھبراتی بھی تھی' پر کوئی اور چارہ نہ تھا- اس دن دوبارہ اس کے ساتھ حادثہ ہو گیا- ٹرین میں سامنے کی سیٹ پر بیٹھے تین جوان لڑکے اچانک ریوالور تان کھڑے ہو گئے- ڈبے کے مسافروں سے مخاطب ہو کر بولے "جس کے پاس جو کچھ ہے نکال دے" ایک آدمی نے ہلکی سی حیل و حجت کی تھی انہوں نے اس پر گولی چلا دی- گڈو نے اپنے گلے کی چین' گھڑی اور ڈالر کے نوٹ سبھی کچھ اس کے حوالے کر دیا- ٹرین رکتے ہی وہ لڑکے وہ سامان ایک تھیلے میں بھر بھاگ کھڑے ہوئے.... شور مچا-- ٹرین بہت دیر تک سٹیشن پر ہی رکی رہی-- زخمی آدمی کو پولیس کے سپاہیوں نے اتارا جنہیں تبھی تبھی بلایا گیا تھا- لٹے جانے کا یہ تجربہ پہلے تجربے کی دہشت سے کچھ کم نہ تھا- گڈو کا ڈر اور بھی بڑھ گیا- یہاں تو کچھ بھی ہو سکتا تھا.... جس آدمی کو گولی لگی کیا وہ بچ جائے گا؟ گھبراہٹ سے اس کا منہ سوکھ رہا تھا- اس کا راجو بھی تو ٹرین سے آتا جاتا ہے اور وہ لڑکے تو ہائی سکول میں ہی پڑھتے جیسے نظر آتے تھے- اس نے سپروائزر سے عرض کیا کہ وہ شام تک نہیں رک سکتی- شام چار بجے تک لوٹنا ہے اسے- راجو کو پاس کے

ہی کسی سکول میں بھیجنا ہو گا۔ راجو کو روز ہدایتیں دیتی رہتی.... اکثر وہ اسے سٹور کے پاس مل جاتا اور وہ دونوں ساتھ ہی گھر آتے۔ ٹرین میں گھستے ہی اسے وہی نظارہ آنکھوں کے سامنے آ جاتا تھا اور وہ راجو اور اپنے آپ کو محفوظ رکھنے کیلئے من ہی من میں منتر بولنے لگی۔

اس نے اپنے آپ کو سمجھا لیا تھا کہ جب بھی منتر پڑھ کر کوئی بھی کام کرے گی' خواہ وہ ٹرین میں چڑھنا ہی ہو' تو وہ کامیاب ہی ہو گی۔ اسی طرح اس نے اپنے ڈر کے ساتھ ایک سمجھوتہ کر لیا تھا۔

گیتا نے گڈو سے گھر کے خرچے کو لے کر سیدھا سادھا حساب کر لیا تھا۔ یہاں سب کی آمدنی پوری پوری ہے' مہنگائی اتنی زیادہ ہے کہ اور دو لوگوں کے کھانے کا خرچہ گیتا کا خاندان نہیں اٹھا سکے گا۔ سو' گڈو اسے تین سو ڈالر مہینے کا دیتی رہے.... پانچ چھ سو مہینے کا کماتی ہی ہے وہ۔ اس طرح اسے کسی کے احسان کے نیچے آنے کی ضرورت نہیں۔ گڈو کو دھکا سا لگا تھا کہ بہن اس کے سر پر کمانا چاہتی ہے' پر یہ جیجا جی کی ہی سوجھ بوجھ ہو گی' اور کوئی بزنس چلا جو نہیں' یہی سہی۔ پر گڈو بھی تو پنکی کے گھر بیٹھے پیسے جوڑ رہی تھی۔ جس کا جب داؤ لگے۔

جیجا جی بیچارے کون سے سکھی ہیں---- ڈورمین کی نوکری ہے تو چپڑاسی گیری ہی--- چوٹ تو انہوں نے گڈو سے بھی زیادہ بڑی کھائی ہے۔ اب بھی ویک اینڈ پر پٹڑی بازار میں سامان لے جا کر بیچتے ہیں' سارے خاندان کا ویک اینڈ منانے کا یہی طریقہ ہوتا ہے.... سامان پہنچانا' بیچنا' پھیلانا' سمیٹنا۔ بکری کا حساب.... پر زیادہ بکری ہوتی نہیں تھی۔ پیتل کی ایش ٹرے' کینڈل سٹینڈ' نٹ راج اور دوسری مورتیاں بڑی عام سی ہو گئی ہیں۔ نیا پن کھوجنے والا یہ سماج لگاتار نئے ملکوں سے الگ طرح کا مال برآمد کرتا رہتا۔ گڈو کو افریقی دیشوں کے انہی بازاروں میں رکھے کھوٹے بہت پسند تھے.... جب گھر بنے گا تو لے گی۔ جیجا جی کہتے تھے---- یہ بچا مال ختم ہو جائے گا تو دوبارہ نیا مال نہیں خریدیں گے۔ جو کام بھاتا نہیں وہ کیوں کریں۔ یہ کیا چپڑاسی گیری بھاتی ہو گی انہیں؟ پر اس سے تو روٹی چلتی تھی۔ جیجا جی اوپر سے بڑا غیر جذباتی رکھتے تھے چہرہ' پر جیجا جی کے اندر بہت طنز اور شکایت تھی' جو ان کے بولنے سے ظاہر ہو

جاتی۔ Insecurity بھی اتنی زیادہ تھی جو بزنس والی پروتی میں گھل مل کر عجیب طرح کی کنجوسی کی عادت بن گئی تھی۔ پائی پائی کا حساب کرتے اور بہت سوچ سمجھ کر پیسہ خرچ کرتے۔ یوں کھلی آمدنی تو تھی بھی نہیں' اوپر سے پڑھنے والے بچوں کا خرچہ۔ کینکا کو سکالرشپ مل رہی تھی' ورنہ اس کی سال بھر کی فیس تو گیتا' جیجا جی کی تنخواہ ملا کر پوری پڑتی۔ وہ پڑھائی کے ساتھ ایک گھنٹے لائبریری میں کام کر کے کچھ نہ کچھ کما لیتی تھی۔ گڈو کو جیجا جی کی باتیں اور ان کا برتاؤ بہت بدلے ہوئے لگتے یا اس نے اب تک ان کو جانا ہی نہیں تھا۔ اس نے جیجا جی سے کہا' "آپ کے کام والی جگہ پر سنا ہے' بادام پستہ بہت سستا ملتا ہے۔ کوئی ہندوستان جا رہا ہے' انیا۔ تینما کیلئے بھیجنا چاہتی ہوں ان کے ہاتھ۔ مجھے چھ سات پونڈ کے قریب لا دیں گے؟ چھوٹتے ہی جیجا جی نے کہا تھا "ٹھیک ہے ڈیڑھ ڈالر اس میں آنے جانے کا کرایہ ملا کر دے دو جتنا بھی منگانا ہو"

سالوں پہلے جب گڈو کے خاوند کی موت ہوئی تھی اور تبھی تبھی خریدی پلنگوں کا جوڑا بیچنا چاہتی تھی تو انہی جیجا جی نے پانچ سو روپے نکال کر کہا تھا "یہ لو پلنگ مت بیچنا یہ تو پریم جی کی نشانی ہے" اب کہاں چلی گئی وہ دریا دلی۔ ایک ایک ڈالر کو مانو آنکھ پر اٹھاتے ہیں جیجا جی۔

گیتا کے ہاں گڈو کو چین آرام قطعی نہ تھا۔ مہمانوں جیسی ہی پڑی تھی۔ راجو کو پڑھنے کی بھی سہولت نہیں تھی۔ کوئی بندھا ہوا کونا تو ان کے پاس تھا نہیں۔ گڈو سوچنے لگی' تین سو ڈالر تو دیتی ہے پھر بھی اپنے گھر جیسا نہیں۔ گڈو نے مکان دیکھنا شروع کر دیا۔

گیتا کے گھر کے تھوڑی دور ہی ایک پانچ منزلہ عمارت میں بڑا سا کمرہ خالی تھا' کرایہ 175 ڈالر۔ بیسمنٹ میں سیلن اور اندھیرا سا تھا۔ پر گڈو کو تو خلوت اور سکون کی بے حد ضرورت تھی--- راجو بھی تو کتنا پریشان ہو گیا تھا اس کے ساتھ ساتھ۔

گیتا کو پتہ لگا تو حیران رہ گئی تھی۔ چپکے چپکے مکان بھی ڈھونڈ لیا گڈو نے۔ جیجا جی کو آدھی کمائی کے رک جانے کا برا لگا تھا۔ ورنہ گڈو اور جیجا جی میں ادھر کافی تکرار چلتی رہتی تھی۔ جیجا جی کے عاشق مزاج والی چھیڑ چھاڑ اب اسے بالکل نہیں بھاتی

تھی۔ ان کا گڈو کے کندھوں پر سر رکھنا' جب بھی گھر پر سونا' یہی اصرار کرنا کہ گڈو زمین پر گدا کیوں بچھاتی ہے انہی کے بستر میں کیوں نہیں آ جاتی۔ گڈو ان کی ایسی کوششوں کو بے دردی سے دھتکار دیتی۔ جیجا جی کو اگر یہ یقین ہو جاتا کہ گڈو انہیں پسند کرتی ہے تو گڈو کا اس گھر میں سواگت ہی سواگت تھا۔ پر گڈو نے اپنی کسی حرکت سے ایسا کبھی ظاہر نہیں ہونے دیا۔ گڈو تو پہیلی بنی ہوئی تھی جیجا جی کیلئے.... خاوند کی موت کے بعد جب ایک مرتبہ گڈو کے گھر اکیلے ٹھہرے ہوئے تھے تو ایک شام بہت زور دیا تھا کہ گڈو ان کے ساتھ فلم دیکھنے چلے۔ تب گڈو نے یہی کہہ کر انکار کر دیا تھا' کہ جب لوگ انہیں ساتھ ساتھ گھومتے دیکھیں گے تو جانے کیا باتیں بنائیں گے۔ پر اب تو لوگ بھی نہیں تھے.... گڈو کو جیجا جی کے "سالی آدھی گھر والی" کے مذاقوں سے بھی کوفت ہوتی تھی۔

جیجا جی کی شکل نے اسے کبھی کھینچا تو نہیں تھا اور اب تو ویسے بھی وہ اپنے مقام سے گرے ہوئے تھے۔ گڈو بھی ان عورتوں میں سے تھی جن کیلئے آدمی کی شخصیت اس کے عہدے سے بنتی ہے۔ اپنے بیوہ ہونے پر اسے دکھ تو اس بات کا تھا کہ وہ اونچے افسر کی پتنی نہیں کہلائی جائے گی۔ اپنے بچوں کو بھی بڑھیا شکشا دینے میں وہ اپنی اوقات سے زیادہ خرچتی رہی تھی کہ وہ بھی اپنے سٹینڈرڈ کو پا سکیں۔ یہاں اپنے بارے میں بھی اس نے سوچ رکھا تھا کہ کچھ نہ کچھ پڑھائی کر کے آمدنی کا ذریعہ بڑھانا ہی ہے۔ جب بیٹیاں آئیں گی تو سیلز گرل کی تنخواہ میں گزارا تھوڑے ہو سکے گا؟

کچھ کھوج بین کے بعد گڈو کو پتہ لگ گیا کہ غریب شہری اور یہاں رہنے والے گرین کارڈ ہولڈر کیلئے فیڈرل سرکار نے چائنہ ٹاؤن میں ٹریننگ کی ایک سکیم بنائی ہے۔ اس کے تحت ٹریننگ کا بھی الگ پروگرام تھا جس میں پڑھائی کے ساتھ سو ڈالر ہفتہ کا وظیفہ بھی ملتا تھا۔ گڈو کے پاس انگریزی میں ایم اے کی ڈگری تو تھی ہی—— داخلے میں مشکل نہیں ہو گی۔ بس ٹھیس صرف اس بات کی تھی کہ امیر افسر کی بیوی ہو کر غریب طبقے کے لوگوں میں اپنا نام شامل کروانا تھا۔

کافی دیکھ پرکھ کے بعد گڈو راجو کے ساتھ بیسمنٹ والے اپارٹمنٹ میں شفٹ کر گئی اور کوئی ایک کمرے کا اپارٹمنٹ تین چار سو سے کم میں نہیں ملتا تھا۔ اس وقت

گڈو کی ضرورت تھی اپنا ایک گھر' جہاں راجو اور وہ سکون سے رہ سکیں۔ وہ بجھا بجھا سا بیسمنٹ والا گھر اس کیلئے راحت کی سانس تھا۔

فرنیچر جمع کرنے میں اتنی مشکل نہیں پڑی۔ پلنگ اس نے نئے خریدے۔ باقی چھوٹا موٹا سامان کچھ سیکنڈ ہینڈ لے کر اور کچھ کوڑے کے ڈھیروں سے مفت میں مل گیا۔ ایک بار اسے میز کرسی اور صوفہ چیئر بھی باہر پھینکے ہوئے مل گئے تھے۔ بس گزارہ چل گیا۔

اب گڈو کو بیٹیوں کی فکر کرنی تھی۔ بڑی لڑکی ایم۔ ایس۔ سی کر رہی تھی اس کو پی ایچ ڈی پروگرام میں داخل کروانا تھا۔ ہوسٹل میں جواں لڑکیوں کو چھوڑ کر فکرمند رہتی تھی۔ گڈو گھبرا کر اکثر آدھی رات کو اٹھ جاتی اور سوچنے لگتی کہ سب کیسے پار لگے گا' اکیلی جان کے بل بوتے پر۔

جب سے بیسمنٹ میں آئی تھی' مکتی کی چاہ دھیرے دھیرے اکیلا پن بن رہی تھی۔ بہنوں کے گھر میں لاکھ جھگڑے ہوں' ایک محفوظ ہونے کا احساس تو تھا ہی۔ اب اسے ہر دم ڈر رہتا تھا۔ راجو یا اسے کچھ ہو جائے تو کون کرے گا دیکھ بھال۔ کیسے سنبھالے گی اکیلے۔ راجو تو ابھی بچہ ہے.... اور سب کو اپنے کاموں ہی سے فرصت نہیں۔

اس اتوار کو اداس اکیلی گڈو کی آنکھوں سے دن بھر آنسو بہتے رہے۔ نہ پڑھا گیا نہ کچھ کام ہوا۔ راجو سکول سے ایک ٹرپ پر گیا ہوا تھا۔ گیتا کا فون آیا تھا۔ گیتا نے کہا "مجھے ابھی ابھی پتہ لگا آج تو کرشن جنم اشٹمی ہے' مندر جانا ہے۔ ہاں ضرور' میں تو ویسے خالی بیٹھی ہوں' پر مندر ہے کہاں؟"

گیتا بولی "وہ سب مجھے معلوم ہے"

گڈو کو اس دن مندر جا کر اچھا لگا۔ سوچنے لگی تھی ہر اتوار کو جایا کرے گی' پر کتنے ہی اتوار گزر گئے۔ پانچ دن لگاتار انڈر گراؤنڈ ٹرین کے دھاڑتے شور کو سہہ کر پھر سے چھٹی والے دن اس میں جانے کی ہمت نہیں ہوتی تھی۔ گھپ اندھیرے کو چیرتی ہوئی سب وے ٹریک اپنی دھاڑوں سے زمین کے اندر کی خاموشی کو بھی دھاڑ میں بدل دیتی تھی۔ ایک بار دو سٹیشنوں کے بیچ 45 منٹ اندھیرے میں کھڑی رہی تھی ٹرین۔